جوش ملیح آبادی کی نظم میں طبقاتی نظام کے خلاف مزاحمت

Resistance Against Class System

In Poems of Josh Malih Abadi

محمد اسماعیل پی ایچ ڈی سکالر،شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

Muhammad Nazar Abid, Ph.D Scholar, Dept. of Urdu, Hazara University, Mansehra

ڈاکٹرنذرعابد، صدر شعبہ اردو،ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

Dr. Nazar Abid, Assistant Professor, Dept. of Urdu, Hazara University, Mansehra

 ڈاکٹر محمد الطاف ایسوسی ایٹ پروفیسر ،شعبہ اردو،ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

Dr. Muhammad Altaf, Assistant Professor, Dept. of Urdu, Hazara University, Mansehra

Abstract

Josh Malih Abadi is a well-known Urdu poet having revolutionary vision in his poetry. In his poetry especially in his poem an attitude of great resistance is found against the cruel class system prevailing in our society. He has compared the miserable differences between haves and have nots with great concern. In this article the authors have brought forward an analytical study of such poems of Josh Malih Abadi while giving relevant examples from his poetic works.

Key Words: Josh Malih Abadi, Resistance, Society, Class System.

کلیدی الفاظ: طبقاتی نظام ، مزاحمتی روّیہ، استحصالی قوتیں، مفلس عوام، جوش ملیح آباد ی

 اُردو شاعری میں آغاز ہی سے مزاحمتی رویے کسی نہ کسی رنگ میں موجودرہے ہیں۔ ابتدائی طور پر نصرتی اورحسن شوقی کی رزمیہ مثنویوں اورجعفرزٹلی کی ہجویات میں یہ مزاحمتی رنگ نمایاں ہے۔آگے چل کریہ رنگ ولی دکنی، میراور غالب کے ہاں بھی ملتا ہے اور بیسویں صدی میں اکبر، اقبال، فیض اور حبیب جالب کے ہاں یہ مزاحمتی انداز نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے مزاحمتی شعرا کی فہرست میں اکبرالٰہ آبادی ،حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان، علامہ محمد اقبال اور شورش کاشمیری کے علاوہ ایک اورمعتبر نام جوش ملیح آبادی کا بھی ہےجو تاریخ ادبِ اُردو میں رومانوی شاعری کی وجہ سے شاعرِ شباب اور مزاحمتی شاعری کی وجہ سے شاعرِ انقلاب گردانے جاتے ہیں۔

 ہندوستان چوں کہ ایک طویل عرصے کے لیے ایک کالونی کی حیثیت سے برطانوی سامراج کے زیر تسلط رہاجنھوں نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے اور اپنے خلاف مزاحمت اور ردعمل کو دبانے کے لیے اہلِ ہندوستان کو مختلف گروہوں ،طبقوں اور برادریوں میں تقسیم کیا۔یوں انگریز استعمار کےتحت ہندوستان میں مروجہ طبقاتی نظام کے کمتر اور برتر کے رویوں سےہندوستانیوں نے اپنی توانائیاں اجتماعی مفادات کی بجائے انفرادی جنگ و جدل میں صرف کرنا شروع کیں۔ گورگی کے مطابق:

"طبقہ داری اسٹیٹ چڑیا خانے کے نمونے پر بنائی جاتی ہے جس میں تمام انسان مختلف گروہوں میں بٹے رہیں اور انہیں اپنے مفاد کا احساس نہ ہونے پائے اور نہ ہی ایسا کلچر پیدا ہو جو تمام انسانوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے۔"(۱)

 طبقاتی نظام میں ہمیشہ دو طبقوں کے درمیان معاشی و سیاسی لڑائی ہوتی ہے۔ ایک وہ طبقہ جو ظلم کرتا ہے اور دوسرا وہ طبقہ جو ظلم کا خاتمہ کر نا چاہتا ہے۔ ظلم کرنے والا طبقہ زندگی کو راکھ بناتا ہے جب کہ دوسرا طبقہ اس راکھ سے چنگاریاں چن کراُجالا پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی مظلوم طبقہ بالآخر استحصالی قوتوں کو شکست سے دوچار کرتا ہے۔ نتیجے کے طور پر ایک کامیاب انقلاب برپاہوتا ہے۔ اس حوالے سے عا لیہ امام لکھتی ہیں:

"کسی بھی طبقاتی معاشرے میں جس وقت طبقاتی تضاد گہرا اور تیز ہوتا ہے ۔ اسی تیزی کے ساتھ انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔" (۲)

 جوش ملیح آبادی کی پوری زندگی اسی نظام سے مستعار تھی ۔ایک حساس طبیعت کا مالک انسان ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر کیسےرہ سکتا ہے۔لہٰذا انھوں نے اپنے قلم کے ذریعے اس طبقاتی نظام اور معاشرتی رویوں کے خلاف بھرپور مزاحمت کی۔ انھوں نے ہمیشہ انسانی عظمت کی بات کی جس کے مطابق وہ انسانوں کو ذات پات، فرقہ پرستی اور مختلف طبقوں میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ اسے وہ مقام دینا چاہتے ہیں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

" لقد خلقناالانسان فی احسن تقویم"

ترجمہ: ہم نے انسان کو ارتقاء کے اعلیٰ ترین مقام پر تخلیق کیا۔(۳)

 اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہ صرف اعلیٰ صفات سے سرفراز فرمایا بلکہ اُسے روئے زمین پر خود اپنا خلیفہ بنانے کااعلیٰ ترین اعزاز بھی عطا کیا۔چنانچہ عظمتِ انسان کا یہی تصورجوش کی نظموں کا بنیادی نکتہ ہے۔ اُن کی نظموں میں انسان کی قدرومنزلت، عظمت ورفعت اور احترام کو بنیادی موضوع بنایا گیا ہے۔ وہ ایک ایسے معاشرے کے قیام کےخواہاں تھے جہاں تمام انسان حقوق اور ذمہ داریوں کے اعتبارسے مساوی ہوں ۔ نہ کوئی حاکم رہے نہ محکوم، نہ کوئی ظالم رہے نہ مظلوم، نہ کوئی سرمایہ دار رہے نہ مفلس۔ ایسے معاشرےمیں اس مساویانہ نظام سے فیض یاب ہونے کے مواقع ہر شخص کو یکساں طور پر حاصل ہوں گےلہٰذا ہر شخص بلا کسی جبر و استبداد کے اپنی طبیعت کے مطابق امن و سکون سے زندگی بسر کرسکے گا۔ گویا جوش ملیح آبادی ایک ایسا معاشرہ چاہتے تھے جس میں کوئی طبقاتی اونچ نیچ نہ ہو بلکہ ہر سو امن و آشتی کا دور دورہ ہو۔مگروہ سمجھتے ہیں کہ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خود ہماری سیاسی اور سماجی قدریں ہیں جو معاشرے میں طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ہماراموجودہ سماجی ڈھانچہ اس طبقاتی نظام کی بقا کا ذمہ دار ہے۔ہماری مروّجہ اور معاشرتی قدریں اس استحصالی نظام کی حفاظت بھی کرتی ہیں اور معاشی ناہمواریوں کا باعث بھی بنتی ہیں۔ہمارے تمام سیاسی اورسماجی ادارے دولت مند وں کی ملکیت اور ان کے مفادات کو تحفظ فراہم کرتے ہیں ۔یہی دولت مند طبقہ غریبوں اور ناداروں کا ہر طرح سے استحصال کرتا ہے۔اس صورت حال کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے خورشید علی خان رقمطراز ہیں:

"ناداروں کو محروم، ذلیل اور بے روزگار کرتے ہیں۔ مردوں کو خود داری اور عورتوں کو اپنا جسم بیچنے پر مجبور کرتے ہیں ۔ یہ استحصالی نظام محروم طبقات میں احساس کمتری پیدا کر دیتا ہے اور یہ احساس کمتری مختلف جرائم کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس کو حکومتی طاقت مختلف انتقامی سزاؤں کے ذریعہ سے روکنا چاہتی ہے مگر اصل بیماری کا علاج کیے بغیر اس قسم کی ہر کوشش مزید بیماریوں کا باعث تو بنتی ہے مگر اصل مرض کا تدارک نہیں کرسکتی ۔"(۴)

 گویا اس استحصالی معاشرے میں ہر فرد کو ترقی، حصولِ علم اورذرائع زندگی کےحصول کے مساوی مواقع حاصل نہیں ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں کثیر الجہات خرابیاں جنم لیتی ہیں۔استحصالی اور طبقاتی نظام کو دیکھ کر جوش ملیح آبادی بے چین ہوجاتے ہیں اوراپنی نظموں میں ان کے خلاف بھر پور مزاحمت کرتےہیں۔ نظم "سانس لو یا خوش رہو" طبقاتی نظام کے خلاف ایک مؤثرنظم ہے۔ نظم کے عنوان میں دو متضاد باتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک طرف سانس لینے سے مراد اپنی غیرت و حمیّت اور اپنے احساسات و جذبات کے ساتھ زندگی گزارنے کا مشورہ ہے تو دوسری طرف خوش رہنے میں انسان کی بے حسی کی جانب اشارہ ہے۔اس نظم میں ایک بیوہ ماں کےجوان بیٹے کی ناگہانی موت پرشاعر یوں نوحہ کناں ہے کہ سماج کی استحصالی قوتوں کے خلاف ایک مزاحمتی آواز بھی ابھرتی محسوس ہوتی ہے۔

|  |  |  |
| --- | --- | --- |
|   | قسم اُس موت کی اُٹھتی جوانی میں جو آتی ہےعروس نو کو بیوہ ماں کو دیوانہ بناتی ہےجہاں سے جھٹپٹے کے وقت اک تابوت نکلا ہوقسم اُس شب کی جو پہلے پہل اس گھر میں آتی ہےعزیزوں کی نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں مرنے والے کوقسم اُس صبح کی جو غم کا یہ منظر دکھاتی ہےقسم سائل کے اس احساس کی جب دیکھ کر اُس کوسیاہی دفعتاً کنجوس کے ماتھے پہ آتی ہےقسم اُس سوز کی پیدا جو ہوتا ہے طبیعت میںاندھیری رات میں رونے کی جب آواز آتی ہےقسم ان آنسوؤں کی ماں کی آنکھوں سے جو بہتے ہیںجگر تھامے ہوئے جب لاش پر بیٹے کی آتی ہے نظر پڑتے ہی اک ذی مرتبہ مہماں کے چہرے پرقسم اُس شرم کی مفلس کی آنکھوں میں جو آتی ہےکہ یہ دنیا سراسر خواب اور خوابِ پریشاں ہےخوشی آتی نہیں سینے میں جب تک سانس آتی ہے)۵) |  |

اس نظم میں جوش ملیح آبادی نے ایک مفلس کی زندگی کی تلخیوں کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔مفلس اور نادار کی زندگی غموں کا مرکز ہوتی ہے۔موت ہی اُسے ان غموں سے چھٹکارادلاسکتی ہے۔ جوش زندگی سے بیزار نہیں تھے وہ دراصل غلامانہ اور بخشش میں ملی ہوئی زندگی سے بیزار تھے۔انہوں نےاپنی نظموں میں اس دنیا کی وہ حقیقی صورت پیش کی جسے آج تک انسانی ذہن جھٹلا نہیں سکتا۔ اُن کے لیے سماج اور سماجی مسائل سے نظریں چُرانا ممکن نہیں تھا کیوں کہ انسان دوستی ان کی سرشت میں تھی۔ دنیا میں جہاں کہیں وہ بے کسوں،مفلسوں اور ناداروں کو دیکھتے تھے تو وہ اس طبقاتی نظام کے خلاف آواز اُٹھاتے تھے۔

معاشی نا آسودگی معاشرے کو انتشار اور افراتفری سےدوچار کرتی ہے۔ جوشؔ جس معاشرے میں رہ رہے تھے اس سے اخوت، بھائی چارہ، مساوات اور باہمی اتفاق و اتحاد کے جذبات معدوم ہوتے جا رہے تھے۔ اپنی نظم " یہ کھلونا" میں اسی عدم مساوات کا ذکر کرتے ہوئے وہ اپنے دکھ کا اظہار یوں کرتے ہیں:

|  |  |  |
| --- | --- | --- |
|   | یہ کھلونا نہیں مرے معصومآگ اس کو سمجھ کے دور سے تاپ میرے ننھے سے ماہتاب! نہ روآ سُلا دے تھپک کے مفلس باپ | (۶) |

نظم " یہ کھلونا" کے یہ اشعار ہمارے آج کے معاشرے کا بھی درد انگیز عکس معلوم ہوتے ہیں۔ اس نظم میں انھوں نے ایک بے بس اور مفلس باپ کی تصویر دکھ بھرے انداز میں پیش کی ہےکہ اس استحصالی نظام میں ایک مفلس باپ اپنے بچے کے لیے ایک معمولی سا کھلونا بھی نہیں خرید سکتا ۔

جوشؔ مغربی سامراج کے خلاف آواز بلند کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی سماج میں موجود معاشی مسا ئل پر بھی قلم اُٹھاتے ہیں۔ ہندوستانی معاشرے میں جہاں کہیں انھیں عدم مساوات اور نا انصافی نظر آتی تو اُن کا قلم " ٹھنڈی انگلیاں"، "خدا سے ایک سوال"، "مفلسوں کی عید" اور "درد انگیز کھلونا" جیسی مزاحمتی نظمیں تخلیق کرتا ہے جن میں مروّجہ طبقاتی نظام کے خلاف ایک بھر پور احتجاج پایا جاتا ہے ۔نظم "ٹھنڈی انگلیاں" میں مفلسی کا نقشہ کھینچتے ہوئے ان کے لہجے میں شکوہ شکایت اور احتجاج کے رنگ نمایاں ہونے لگتے ہیں:

|  |  |  |
| --- | --- | --- |
|   | سرد اُنگلی اپنے مفلس باپ کی پکڑے ہوئےرو رہا ہے ایک بچہ اک دکاں کے سامنےاک کھلونے کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بار بارکچھ نہیں کہتا ہے لیکن رو رہا ہے زار زارباپ کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں ہے دنیا سیاہرُخ پہ گردِ مفلسی ہے جیب خالی پر نگاہ باپ کی نمناک آنکھوں میں پئے تکمیلِ یاسکیا قیامت ہے پسر کے آنسوؤں کا انعکاس دل ہوا جاتا ہے بچے کے بلکنے سے فگارکہہ رہا ہے زیرِ لب فریاد اے پروردگارواہ کیا تقدیر ہے اس بندۂ مظلوم کیہو چلی ہیں اُنگلیاں ٹھنڈی مرے معصوم کی | (۷) |

نظم "خدا سے ایک سوال" میں انھوں نے ہندوستان کے معاشی حالات کا تجزیہ جس انداز میں کیا ہے وہ فکر سے خالی نہیں۔نظم سے بطورِنمونہ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

|  |  |  |
| --- | --- | --- |
|   | مادّی عہد میں یہ ناداریکون اپنے کرے گا غمخواریکس طرف جائیں کس سے بات کریں ہر طرف اک جمود ہے طاریاہلِ افلاس غرقِ رشک و حسد اہلِ دولت رہینِ غدّاری مطمئن ہستیوں کا دنیا میںمشغلہ ہے غریب آزاری مایۂ صد نشاطِ روحانیاہلِ دولت کی کفش برداریفرق اغیار پر چمکتا ہےہند کا افسرِ جہاں داری | (۸) |

بقول عزیز حامد مدنی حسرت موہانیؔ، علامہ اقبالؔ اور جوشؔ مارکسی نہیں تھے بلکہ اُنھیں معاشی مسائل نے اس فکر کی طرف مائل کیا جو حقیقت پسندی پر مبنی تھی۔(۹) یہی حقیقت پسندی جوشؔ کی نظموں میں جابجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ انھوں نے نظم " مفلسوں کی عید" میں ایک طرف اہل دول کی عیش و عشرت میں گزرنے والی زندگی سے پردہ اُٹھایا ہے تو دوسری طرف مفلس عوام کے زخموں پر مرہم لگانے کے ساتھ ساتھ اُن کی حالتِ زار کا نقشہ انتہائی پردرد انداز میں بیان کیا ہے۔

|  |  |  |
| --- | --- | --- |
|   | اہلِ دول میں دھوم تھی روزِ سعید کیمفلس کے دل میں تھی نہ کرن بھی اُمید کیاتنے میں اور چرخ نے مٹی پلید کیبچے نے مسکرا کے خبر دی جو عید کیفرطِ محن سے نبض کی رفتار رُک گئیماں باپ کی نگاہ اُٹھی اور جھک گئیآنکھیں جھکیں کہ دستِ تہی پر نظر گئی بچے کے ولولوں کی دلوں تک خبر گئیزلفِ ثبات غم کی ہوا سے بکھر گئیبرچھی سی ایک دل سے جگر تک اُتر گئی دونوں ہجومِ غم سے ہم آغوش ہوگئےاک دوسرے کو دیکھ کے خاموش ہوگئے | (۱۰) |

 اسی قبیل کی ایک اور نظم " درد انگیز کھلونا" ہے جس میں انھوں نے امیروں اور غریبوں کی مختلف حالتوں کا نقشہ بڑے پُر سوز انداز میں کھینچا ہے۔ اس نظم میں یہ بتانےکی کوشش بھی کی گئی ہےکہ مفلسی کی وجہ سے ہر جگہ غریبوں اور ناداروں کا استحصال ہوتا ہے۔

|  |  |  |
| --- | --- | --- |
|   | ہاں یہی ہے وہ کھلونا اے دلِ آشفتہ حالکھیلتا پھرتا ہے جس سے ایک طفلِ خرد سالہاں یہی ہے وہ کھلونا دیکھ چشم اشکبارجس کی حسرت میں مرے بچے کا دل ہے بے قراراس کھلونے کی سبک گل کاریوں کے درمیاںثبت ہیں اک تیرہ قسمت باپ کی محرومیاںاس کا آب و رنگ ہے آئینہ عبرت فزا یہ مگر رنگِ پریدہ ہے کسی مایوس کااس کے آئینوں میں ٹکڑے ہیں دل محروم کے اس کی تابانی میں آنسو ہیں کسی معصوم کے اس میں غلطاں ہے کسی بچے کا شوق مضمحلاس کے سینے میں دھڑکتا ہے کوئی ننھا سا دلکھیل دولت مند بچے! تو سدا پھولے پھلےہم اِدھر ہنستے ہوئے آئے تھے اور روتے چلے | (۱۱) |

 اس نظم میں انھوں نے طبقاتی نظام کے خلاف بھرپور آواز اُٹھائی ہے۔ طبقاتی نظام معاشرے میں ایک لعنت سے کم نہیں کہ معاشرے میں کم و بیش تمام معاشرتی بُرائیاں اسی فرسودہ نظام سے جنم لیتی ہیں۔ اسی نظام کی وجہ سے اکثریت پرمشتمل غریب عوام کے حقوق غصب کیے جاتے ہیں اور اُنہیں جیتے جی موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔

 نظم "ایک تقابل" میں جوشؔ نے طبقاتی نظام کے تحت پھلنے پھولنے والے سرمایہ داروں اور مجبور ومقہور طبقے کی تقابلی تصویر یوں پیش کی ہے۔

|  |  |  |
| --- | --- | --- |
|   | مال کا وہ درجہ جس میں ریل کے مزدور تھے!آ کے ٹھہرا دوسرے درجے کے بالکل سامنےاُس طرف ناپاکیاں تھیں، خاک کا انبار تھا اِس طرف ہر ذرّہ گویا مصر کا بازار تھا اُس طرف جورِ خزاں تھا، اِس طرف لطفِ بہار  اُس طرف مزدور تھا، اور اِس طرف سرمایہ دار اُس طرف سامانِ دل تنگی تھا چولہے کا دُھواںاِس طرف چہروں پہ تھیں ٹھنڈی ہوا کی سرخیاں اُس طرف ہر آنکھ میں غلطیدہ تھی فکرِ معاشاِس طرف چہرے تھے روشن، اور سینے بے خراشآہ اِن دونوں میں اک شئے مشترک جو بھر نہ تھیان کے جوتوں پر چمک تھی، اُن کے چہروں پر نہ تھی اُس طرف درد زیاں تھا، اِس طرف تمکین سودہو رہی تھی آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ گفت و شنوداللہ اللہ اِس قدر عدل و تناسب کی کمی اُس طرف بھی آدمی تھے، اِس طرف بھی آدمیکوئی محروم اور کوئی رحمتوں سے بہرہ مند آدمی، اور آدمی میں اِس قدر پست و بلندآہ اِس منزل سے بے ماتم گزر سکتا ہے کون؟ جز خدا اِس ظلم کو برداشت کر سکتا ہے کون؟ | (۱۲) |

 اس نظم میں غریبوں کی حالت زار کا نقشہ دکھاتے ہوئے دولت مندوں اور سرمایہ داروں کے خلاف شاعرکی بھرپور مزاحمت نظرآتی ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے اس نظم میں اللہ تعالیٰ سےبھی شکوہ کیا ہے کہ دونوں طرف آدمی ہیں لیکن امیروں اور رئیسوں پر اتنی مہربانی اور غریبوں کے لیے اس قدر تنگ دستی کہ زندگی کی تمام تر سہولتیں اُن پر حرام کردی جائیں۔

اسی طرح نظم "رشوت" میں جوشؔ ملیح آبادی کے مزاحمتی رویّے میں طنز کا پہلو بھی نمایاں ہوگیا ہے ۔

|  |  |  |
| --- | --- | --- |
|   | توند والوں کی تو ہو آئینہ داری، واہ واہاور ہم بھوکوں کے سر پر چاند ماری، واہ واہ اُن کی خاطر صبح ہوتے ہی نہاری واہ واہاور ہم چاٹا کریں ایمان داری واہ واہسیٹھ جی تو خوب موٹر میں ہوا کھاتے پھِریںاور ہم سب جوتیاں گلیوں میں چٹخاتے پھِریں | (۱۳) |

 اس نظم میں انھوں نے اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے کہ اس معاشرے میں مفلس گوناگوں مسائل کا شکار ہے جب کہ دولت مند کو طرح طرح کی آسائش میسر ہے۔ دولت مند طبقے کو غریبوں کی حالت ِزار کا احساس تک نہیں ہوتا۔ دولت مند اپنی عیش پرستی میں مگن ہیں اور مفلس زندگی کی تمام تر سختیوں کو برداشت کرتے چلے جارہے ہیں۔

 جوشؔ ملیح آبادی اپنے فن کے ذریعے استحصالی قوتوں اور طبقاتی نظام کے خلاف بھرپور مزاحمت کرتے نظرآتے ہیں ۔کوئی بھی استحصالی قوت عظمتِ انسانی کے تصور سے ٹکراتی ہے تو وہ اس کے مکروہ چہرے سےنقاب اُٹھاتے ہیں ۔ وہ اپنے ہم وطنوں کودعوتِ عمل دیتے ہوئے ان سیہ کاروں کے خلاف اُکساتے ہوئے کہتے ہیں:

|  |  |  |
| --- | --- | --- |
|   | اُٹھ اور زمیں پہ نیا لالہ زار پیدا کرنہ آئی ہو جو کبھی وہ بہار پیدا کر مذاق بندگی عصر نو کی تجھ کو قسمنئے مزاج کا پروردگار پیدا کر | (۱۴) |

 مجموعی طور پر دیکھا جائے تو جوشؔ ملیح آبادی کی نظموں میں جابجاطبقاتی نظام کے خلاف مزاحمت دیکھنے کو ملتی ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں وہ طبقاتی نظام کے تحت جبر و استبداد کا بازار گرم دیکھتے ہیں تو وہ اس کے خلاف بھرپور مزاحمت کرتے ہوئے آواز بلند کرتے ہیں۔ایسے میں ان کی تمام تر ہمدردیاں معاشرے کے مظلوم اور پسے ہوئے پس ماندہ طبقات کے ساتھ ہوتی ہیں ۔اپنی انقلابی نظموں میں وہ انہی محروم طبقات کے حقیقی ترجمان بن کر ابھرتے ہیں ۔سانھوں نے اپنی نظموں میں نہ صرف استحصال پر مبنی اس طبقاتی نظام کے خلاف مزاحمتی روّیہ اپنایا ہے بلکہ اپنے لوگوں کو اس فرسودہ نظام کے خاتمے کے لیے پیغام ِ عمل بھی دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر عالیہ امام، شاعرِ انقلاب "نظریاتی و تنقیدی مطالعہ"، مکتبہ اظہر، کراچی، س ن، ص ۲۶۲

۲۔ ایضاً، ص ۲۶۱

۳۔ قرآن مجید، پارہ ۳۰، سورۃ ، آیت نمبر۴

۴۔ خورشید علی خان، حضرت جوشؔ ملیح آبادی کی فکر کے بنیادی اجزائے ترکیبی، مشمولہ ارتقاء جوش صدی نمبر،ارتقاء ادبی فورم، کراچی، دسمبر۹۹۷اء، ص ۱۶۷

۵۔ جوشؔ ملیح آبادی، کلیات جوش جلد اوّل، مرتبہ: قمر رئیس، جاوید نسیم، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۵۰

۶۔ جوش ملیح آبادی، نقش و نگار، کتب خانہ تاج آفس محمد علی روڈ، بمبئی، ۱۹۳۶ء، ص ۷۴

۷۔ ایضاً، ص ۷۸

۸۔ ایضاً، ص ۹۷

۹۔ عزیز حامد مدنی، جدید اُردو شاعری، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی،۱۹۹۰ء، ص ۳۱۹

۱۰۔ جوش ملیح آبادی، نقش و نگار، کتب خانہ تاج آفس محمد علی روڈ، بمبئی، ۱۹۳۶ء، ص۸۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۹۰

۱۲۔ جوشؔ ملیح آبادی، حرف و حکایت، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۱۹۳۸ء، ص ۱۰۶

۱۳۔ جوشؔ ملیح آبادی، سموم و صبا، بلال پبلیشرز، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۹ء، ص ۹۱

۱۴۔ جوشؔ ملیح آبادی، کلیات جوش جلد دوم، مرتبہ: قمر رئیس، جاوید نسیم، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زباْْْْْْْْْْْْْْْْْن، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۲۳۷